© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

اجتماعی اجتہاد پر بین الاقوامی سیمینار

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے زیراہتمام کام کرنے والے علمی ادارے 'ادارہ تحقیقاتِ اسلامی' اسلام آباد نے چند ماہ قبل اجتماعی اجتہاد کے عمل کو متعارف کرانے کی غرض سے اہل علم کا ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹ سے ۲۲/ مارچ ۲۰۰۵ء تک یہ سیمینار فیصل مسجد سے ملحقہ کیمپس کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں پاکستان سے متعدد اہل علم کے علاوہ انڈیا سے چار معروف علماء کرام ...... مولانا جلال الدین عمری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی اور مولانا فہیم اختر ندوی ...... نے شرکت کی، جبکہ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں شام سے تعلق رکھنے والی عالم اسلام کی عظیم شخصیت ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بھی خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر زحیلی نے اس دور میں اسلامی فقہ پر شاندار علمی کام انجام دیا ہے اور کئی جلدوں میں پر مشتمل آپ کی کتاب الفقه الاسلامي وأدِلّته فقہِ مقارن کے موضوع پر ایک اچھوتی تصنیف ہے۔ اسی بنا پر علمی حلقوں میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور اُنہیں تحقیقی دنیا کی نہایت محترم شخصیت سمجھا جاتا ہے۔

سیمینار میں شرکت کے لئے پاکستان سے ممتاز اہل علم کو بھی دعوت دی گئی تھی کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مقالات تحریر کریں۔ تین دن کے اس سیمینار کو آٹھ نشستوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر روز ظہر سے قبل اور بعد میں دو نشستیں ہوتیں، جن میں طے شدہ موضوعات پر اہل علم اپنے مقالات کا خلاصہ ۱۵ سے ۲۰ منٹ میں پیش کرتے، ہر نشست کا آخری نصف گھنٹہ مقالات پیش کرنے والوں سے سوالات کے لئے مخصوص تھا۔ جبکہ مغرب کے بعد خصوصی نشست میں توسیعی خطابات کا انتظام کیا گیا تھا۔

جیسا کہ سیمینار کا عنوان تین اجزا پر مشتمل ہے : تصور، ارتقا اور عملی صورتیں ...... اسی لحاظ

© rasailojaraid.com

سے سیمینار کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سیمینار کا پہلا دن 'اجتماعی اجتہاد کے تصور' کے لئے مخصوص تھا، جب کہ دوسرے دن دنیا بھر میں اس مقصد کے لئے سرگرم اداروں کے تعارف پر مبنی مقالات پڑھے جانا تھے، گویا یہ مجلسیں اس کے ارتقا پر مشتمل تھیں۔ جبکہ تیسرے روز سیمینار کی آخری دو مجلسیں 'اجتماعی اجتہاد کی بعض تطبیقی وعملی صورتوں' پر مقالات کے لئے مخصوص تھیں مثلاً کریڈٹ کارڈ، بیمہ کاری یا فیملی پلاننگ کے موضوعات پر ہونے والا اجتماعی اجتہاد وغیرہ۔

شعبۂ فقہ وقانون کے انچارج پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصوری اس سیمینار کی نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کے ساتھ معاونت کرنے والوں میں جناب قیصر شہزاد، جناب محمد احمد منیر، ڈاکٹر سہیل حسن انچارج شعبۂ قرآن وحدیث اور ڈاکٹر عصمت اللہ شریک تھے۔ سیمینار کے متنوع پہلوؤں پر تو بیسیوں مقالات لکھے گئے جبکہ جائزہ کمیٹی نے حسبِ ذیل ۸/اداروں کے بارے میں تعارفی مقالات کو بھی سیمینار میں شرکت کے لئے منتخب کیا تھا:

نام ادارہ	مقالہ نگار
◉ اسلامی فقہ اکیڈمی، انڈیا	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
◉ مجلس شرعی مبارکپور، انڈیا	مولانا محمد صدیق ہزاروی
◉ اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان	جناب شہزاد اقبال شام
◉ وفاقی شرعی عدالت، پاکستان	جناب مطیع الرحمٰن
◉ المجمع الفقهي (رابطہ) مکہ مکرمہ	جناب الطاف حسین لنگڑیال
◉ هيئة كبار العلماء، سعودی عرب	ڈاکٹر سہیل عبد الغفار حسن
◉ مجمع البحوث الإسلامية، قاہرہ	ڈاکٹر تاج الدین ازہری
◉ یورپی کونسل برائے افتاء وتحقیق	جناب تنویر احمد

افتتاحی تقریب میں فضيلة الشيخ الدكتور وهبة الزحيلي کے علاوہ جناب وسیم سجاد سابق چیئرمین سینٹ اور جناب جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن خاں ریکٹر اسلامک یونیورسٹی نے بھی خطاب کیا۔ اس کے بعد مقالات پڑھنے والے تقریباً پچیس اہل علم کے لئے سیمینار ہال کے درمیان میں راؤنڈ ٹیبل کے گرد نشستیں ترتیب دے دی گئیں جبکہ سامعین ان کے گردا گرد

© rasailojaraid.com

ہال میں اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔ ہال کا مناسب موسم، معیاری ساؤنڈ سسٹم اور نشست وبرخاست کی موزوں سہولتیں پورے سیمینار پر وقار اور سنجیدگی کا تاثر پیدا کررہی تھیں۔

سیمینار کے انتظامات وسیع سطح پر کئے گئے تھے، خطاب کرنے والے اہل علم کو آمد ورفت کے پرتپاک انتظامات کے علاوہ قیام وطعام کی سہولتیں، پڑھے جانے والے مقالات پر مشتمل کتاب، ادارہ کی منتخب مطبوعات اور ایک بیگ کا تحفہ بھی دیا گیا۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا بیشتر عملہ تین روز تک سیمینار کے انتظامات اور مندوبین کی خدمت میں مشغول رہا۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے سینئر اراکین بھی سیمینار میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے جبکہ دیگر شرکا میں یونیورسٹی کے طلبہ اور اسلام آباد کے علم دوست حضرات شامل تھے۔

ادارہ کا یہ سیمینار اپنے مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے واقعتاً قابل قدر کاوش ہے۔ سرکاری اداروں میں عموماً سردمہری کا جو رویہ پایا جاتا ہے، یہ ادارہ اس سے خالی اور علمی رجحانات کا حامل ہے۔ اسلامی علوم کے مختلف میدانوں میں یہ ادارہ ملتِ اسلامیہ کی کئی اہم ضرورتوں کی تکمیل کررہا ہے۔ اسی ادارے سے عربی اور انگریزی جرائد کے علاوہ برسہا برس سے 'فکر ونظر' کے نام سے اُردو زبان میں تحقیقی مجلّہ بھی شائع ہوتا ہے جو اپنی خدمات کی بنا پر ایک وقیع حیثیت رکھتا ہے۔

اس ادارے کی فعالیت کے متعدد پہلوؤں میں سے ایک نمایاں پہلو تسلسل سے مختلف علمی موضوعات پر سیمینارز کا انعقاد بھی ہے۔ انہی چند سالوں کے دوران یہاں دو سیمینار ہوچکے ہیں جن میں سے ایک ۵ تا ۸/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو 'بین الاقوامی امام ابوحنیفہؒ کانفرنس' کے نام سے اور دوسرا 'برصغیر میں مطالعہ حدیث' کے موضوع پر ۲۱،۲۲/ اپریل ۲۰۰۳ء کو ہونے والا قومی سیمینار ہے۔ حالیہ سیمینار اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے۔ وطن عزیز میں جہاں آزادانہ علمی وتحقیقی رجحانات روبہ زوال ہیں اور مختلف نظریات اور کاوشوں کو تعصّبات کے دائرے میں رکھ کر ہی پرکھا جاتا ہے، وہاں ایسے اہم موضوعات پر ملک بھر کے اہل علم کو دعوتِ تحقیق دینا اور انہیں مل بیٹھنے کا موقع فراہم کرنا ایک قابل قدر کوشش ہے۔ اوّل الذکر سیمینار کی روداد ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نومبر ۱۹۹۸ء کے شمارے میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کے قلم سے شائع ہوئی تھی، اس میں حافظ صاحب نے ان جذبات کا اظہار کیا :

© rasailojaraid.com

''اس اہم نوعیت کے سیمینار میں اختلافی مسائل بھی زیر بحث آئے، نقد وجرح کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن کسی بھی مرحلے پر بدمزگی پیدا نہ ہوئی، نہ فکر ورائے کے اختلاف میں شدت کا اظہار ہوا۔''

اُنہوں نے منتظمین کے حسن انتظام کو سراہتے ہوئے لکھا:

''پوری غیر جانبداری سے، کسی مکتب ِفکر کے جذبات کو مجروح کئے بغیر ایسے سیمیناروں کا علم وتحقیق کے لئے انعقاد ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا ایک قابل ستائش کردار ہے، اس علمی رویہ کو دیگر اداروں کے لئے بھی مشعل راہ ہونا چاہئے۔'' (محدث، نومبر ۱۹۹۸ء: ص ۵۹)

سیمینار کے تین دنوں میں حاضرین کو ممتاز اہل علم کے علمی جواہر سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا، ان کے خطابات کا خلاصہ پیش کرنا تو شاید یہاں ممکن نہیں کیونکہ وہاں پیش کردہ ان کے خطابات بھی ان کے مقالوں کی تلخیص پر ہی مبنی تھے جس میں مقالہ کے اہم پیراگراف کو پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ یہ مقالات کتابی صورت میں تمام خطاب کرنے والوں کو تقسیم کر دیے گئے تھے، یہاں ہم ان خطابات کے بعض حصوں پر ہی اکتفا کریں گے، علمی نوعیت کے استدلال کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے ان کی مکمل تحریریں ہی کار آمد ہوں گی۔

ماضی میں اجتماعی اجتہاد

ماضی میں اجتماعی اجتہاد کے وجود کے بارے میں انڈیا سے تشریف لانے والے مشہور سکالر مولانا جلال الدین عمری نے اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

فقہ ِاسلامی کی تاریخ میں یہ تصور ہمیں نہیں ملتا اور نہ ہی اس نام کی کسی اصطلاح کا وجود ماضی میں دکھائی دیتا ہے۔ اسلامی فقہ میں کہیں بھی یہ نہیں پتہ چلتا کہ فلاں رائے تو انفرادی اجتہاد ہے اور فلاں رائے اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔ ایسے ہی اجتہاد سے قبل مشاورت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مروّجہ اُصولِ فقہ کوئی رہنمائی نہیں دیتے کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں اور اس کو انفرادی اجتہاد پر کس پہلو سے برتری حاصل ہے؟

مولانا عمری نے کہا کہ اس تاریخی حقیقت کے باوجود اگر مل جل کر اجتہادی عمل میں شرکت کر لی جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا۔

البتہ سیمینار میں شریک کئی اہل علم نے دورِ نبویؐ میں بھی اس کے وجود کا دعویٰ کیا۔ اُنہوں نے دورِ نبویؐ میں مختلف غزوات: بدر، اُحد اور احزاب کے سلسلے میں ہونے والے مشوروں کو

اجتماعی اجتہاد بتاتے ہوئے اسیرانِ بدر، صلح حدیبیہ، واقعہ افک کے وقت رسول اللہﷺ کی مشاورت کو بھی اسی قبیل سے قرار دیا۔

البتہ ان حضرات نے اس امر کی نشاندہی کی ضرورت محسوس نہ کی کہ مذکورہ بالا مشاورت کا زیادہ تر تعلق دنیا کے تدبیری اُمور سے ہے، ان میں الہامی ہدایت سے استنباط جسے 'اجتہاد' کہا جاتا ہے، کا عنصر بہت کم ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کیا مجرد 'مشاورت☆' شرعی اجتہاد کی بنیاد بن سکتی ہے یا اسے مصادرِ فقہ میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

خلفاءِ اربعہؓ کے دور سے بھی اجتماعی اجتہاد کی کئی مثالیں پیش کی گئیں جن میں لشکرِ اُسامہؓ کی روانگی، منکرین زکوٰۃ سے جنگ، جمع قرآن کا مسئلہ اور محاصل عراق کے بارے میں مشاورتیں

☆ اصطلاحات اور الفاظ کا موزوں اور برمحل استعمال ہی زیادہ محتاط روش ہے۔ اجتہاد تو کسی امر کی شرعی حیثیت کے تعین کے لئے ہوتا ہے جبکہ تدبیر یا مشاورت کسی امر کے جائز طریقوں میں سے کوئی موزوں طریقہ استعمال کرنے پر ہوتی ہے جیسا کہ خلفاءؓ کی مشاورت کے بارے میں صحیح بخاری میں آتا ہے کہ وہ صرف جائز اُمور میں ہی اسے منعقد کیا کرتے: وكانت الأئمة بعد النبي ﷺ يَسْتَشِيْرُوْن الأمناء من أهل العلم في الأمور المُباحة ليأخذوا بأسهلها۔ اوّل الذکر کی بنیاد شریعت کی رہنمائی ہوتی ہے جس کے اہل ماہرین شریعت ہیں جبکہ ثانی الذکر میں مشاورت ہی بنیادی عامل ہوتی ہے اور اس کے بعد امیر کے فیصلے سے کوئی بھی پہلو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر جنگ کرنے کا طریقہ کار کیا ہو؟ لشکر کی ترتیب کیا ہو اور اسے کس مقام پر کھڑا کیا جائے؟ ان میں یہ پہلو کہ کن کے خلاف جنگ کرنا جائز ہوجاتا ہے؟ تو اجتہاد پر موقوف ہے لیکن اس کے طریقہ کار میں تدبیری پہلو غالب ہے جو مشاورت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ جنگِ بدر میں پڑاؤ ڈالنے کے مسئلہ پر حُبابؓ بن منذر کا نبی کریمؐ سے مکالمہ اس کی نمایاں مثال ہے۔ (مستدرک حاکم: ۵۸۰۱) ایسے ہی ٹریفک کے بارے میں بنایا جانے والے نظم اور اس سلسلے میں کئے جانے والے غور وفکر کو 'اجتہاد' سے تعبیر کرنا درست نہ ہوگا۔

شورائی اجتہاد میں دونوں پہلو بیک وقت جمع ہورہے ہیں۔ گویا عمل اجتہاد میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر شرعی دلائل کی نشاندہی تو مشاورت سے حاصل ہوسکتی ہے لیکن اس کے بعد نتیجہ کے حصول میں ہر مجتہد منفرد ہوتا ہے۔ جن میں اتفاقِ رائے اتفاقاً تو ہوسکتا ہے، لیکن اُنہیں اتفاقِ رائے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مشاورت کا تعلق اگر شریعت کے نقطہ نظر کے بارے میں دلائل واستنباط کی نشاندہی سے ہو تو یہ مشاورت یا تبادلہ خیال پیش آمدہ مسئلہ پر اجتہاد میں معاونت کی ایک صورت ہے۔

انتظامی اور تدبیری اُمور میں مشاورت کا ایک نظام ہے جس میں امیر فیصلہ کرنے کے خصوصی اختیارات بھی استعمال کرتا ہے۔ دنیاوی اُمور میں امیر کو حاصل ان اختیارات کی تو شریعت میں گنجائش ملتی ہے لیکن دینی اُمور کی تعبیر میں امیر کے دیگر اہل علم پر اس ترجیحی اختیار کی اسلام میں حمایت نہیں پائی جاتی۔

© rasailojaraid.com

شامل ہیں۔ جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد کے اُستاذ مولانا محمد زاہد نے صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ اسلافؒ کے ادوار میں تبادلہ خیال کے متعدد واقعات کو 'اجتماعی اجتہاد' قرار دیا۔

اجتماعی اجتہاد میں قابل لحاظ اُمور

مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی نے اپنے خطاب کا آغاز ہی اس بات سے کیا کہ اجتماعی کام ہمیشہ انفرادی محنت سے بڑھ کر مفید اور پہلودار ہوتا ہے اور اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ البتہ مولانا نے اپنے خطاب میں شریعت اور فقہ کا فرق کرتے ہوئے کتاب وسنت سے مستنبط فقہ واجتہاد (خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی) کے بارے میں اس امر پر روشنی ڈالی کہ کیا ایسا اجتہاد شریعت (کتاب وسنت) کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟ آپ نے کہا کہ ماضی قریب میں مسلمان حکومتوں کی وہ مساعی جن کے ذریعے شریعت کی جزوی قانون سازی کرکے اسے نافذ کرنے کا دعویٰ کیا گیا، کو اجتماعی اجتہاد کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ تھوڑی مدت میں ہی یہ قوانین برابر بدلتے رہے۔ بدلتی ہوئی چیز کو اتھارٹی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اُنہوں نے زور دے کر کہا کہ کیا انسان الہامی کلام کو اپنے الفاظ میں منتقل کرکے بہتر قانون سازی کرنے پر قدرت رکھتا ہے؟ حاکم ہو یا قاضی اور مفتی، قرآن کی رو سے سب ما أنزل الله سے فیصلہ کرنے کے ہی پابند ہیں۔ جب یہ لوگ انسانوں کی تعبیر یا ان کے وضع کردہ قوانین سے فیصلہ کریں گے تو یہ قوانین ما أنزل الله کا حقیقی مصداق نہیں بن سکتے، خواہ ایسی فقہ کو شریعت (کتاب وسنت) کی روشنی میں ہی تیار کیا گیا ہو کیونکہ ایسا اجتہاد بہرحال فقہ ہوگا جس میں تعدد لازمی ہوتا ہے جبکہ 'محمدیؐ شریعت' ایک ہے۔ اس میں احکام کا تنوع تو ہوسکتا ہے، تعدد واختلاف محال ہے۔ اُنہوں نے پاکستان میں نافذ اسلامی قوانین (حدود وقصاص) کی بعض کوتاہیوں کو مثالوں سے واضح کیا کہ شریعتِ اسلامیہ کو انسانی الفاظ میں ڈھال لینے کی بنا پر اس کی تطبیق میں کیسی مشکلیں پیدا ہوجاتی ہیں بلکہ بہت سی وسعتوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنے مقالے میں علامہ اقبالؒ کے تصور 'پارلیمانی اجتہاد' کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے مزعومہ اجتہادات اور اتاترک ازم کے مضر اثرات کی بھی نشاندہی کی۔ اُنہوں نے ڈاکٹر محمد یوسف

© rasailojaraid.com

گورایہ کی کتاب 'اقبال اور اجتہاد' میں پیش کردہ فلسفے پر تنقید کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ کی ملی خدمات کے بھرپور اعتراف کے باوجود اس بارے میں علامہؒ کی رائے کو کمزور قرار دیا اور کہا کہ سید سلیمان ندویؒ کے پیش کردہ بعض اقتباسات کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ علامہ مرحوم نے اس نقطہ نظر سے بعد میں رجوع کرلیا تھا۔ حافظ صاحب نے اجتہاد کا حق عام اراکین پارلیمنٹ کی بجائے اسلامی درک وبصیرت رکھنے والے ماہر علما کرام کے لئے مخصوص کرنے پر زور دیا۔

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے اپنے خطاب میں یہ امر خوش آئند قرار دیا کہ ایک وہ وقت تھا جب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی میں تجدد پسند حضرات کی کھپت زیادہ تھی لیکن اب الحمدللہ صورتِ حال بہت مختلف ہے اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے رفقا بہت اچھا کام کر رہے ہیں لیکن ملک میں اب بھی ایسے حضرات موجود ہیں جو ایک طرف معروف مسلماتِ اسلامیہ مثلاً حدِرجم، معراجِ جسمانی، نزولِ عیسیٰؑ، ظہورِ امام مہدی وغیرہ کے منکر ہیں تو دوسری طرف یہ گروہ طوائف کلچر (رقص وسرود اور گانے بجانے) کو شریعت اسلامیہ کی رو سے پسندیدہ قرار دے رہا ہے۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے سیلم الفکر منتظمین کی طرف سے ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ اس خطاب کے دوران جاوید احمد غامدی بھی موجود تھے۔

سیمینار کے توسیعی خطابات میں جناب جاوید احمد غامدی کا خطاب سب سے پہلا تھا۔ انہوں نے علمی اصطلاحات کی نئی تعبیروں کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اجتہاد کی تعریف میں بھی عام اہل علم سے جداگانہ نقطہ نظر اپنایا۔ اُنہوں نے معاذ بن جبلؓ کی مشہور حدیث میں وارد لفظ اَجتهد برأيي سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر شریعت کی رہنمائی موجود نہیں ہے، اس لئے وہاں پر انسان کو اپنی عقل ورائے سے کام لینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن قطعی الثبوت ہونے کے علاوہ قطعی الدلالہ بھی ہے، اس کے لئے آپ نے مولانا فراہیؒ کے قول: القرآن لا يحتمل إلا تاويلا واحدا کا حوالہ دیا اور کہا کہ قرآن ہر مسئلہ کے بارے میں میزان کی حیثیت رکھتا ہے۔ کلام کی تفہیم کے حوالے سے جناب جاوید غامدی نے کہا کہ بعض چیزیں متکلم کے ذہن میں کلام کے وقت ہی مستثنیٰ ہوتی ہیں، اس لئے ان کو خارج سمجھنے میں کوئی زیادہ تردّد نہیں کرنا چاہئے اور ایسے مستثنیات کا تعین

© rasailojaraid.com

عقل سے از خود ہو جاتا ہے۔ اس سے غالباً آپ غلام احمد پرویز کے پیش کردہ نظریہ پر تبصرہ کر رہے تھے جو اُنہوں نے مختلف خلفا کے اوّلیات کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ آپ نے گھنٹہ بھر کے خطاب میں متعدد نازک مسائل پر محتاط لب ولہجہ اپناتے ہوئے اپنے بعض نظریات کی تائید میں اشارتاً گفتگو کی۔

توسیعی خطابات کی پہلی نشست کی صدارت جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی کر رہے تھے۔ تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی نے جاوید احمد غامدی کی بہت سی آرا کو بحث طلب قرار دیا اور کہا کہ آپ بذاتِ خود ایک مستقل مکتبِ فکر کے بانی☆ ہیں۔ انہوں نے قرآنی آیات کی صرف ایک ہی تفسیر ممکن ہونے کے دعوے کو بھی علما کی نظر میں اجنبی قرار دیتے ہوئے یہ سوال اُٹھایا کہ اگر یہ مان لیا جائے تو پھر آج تک مفسرین قرآنِ کریم کی کئی آیات کی متنوع تفسیریں کیوں کرتے چلے آرہے ہیں؟

پہلے روز کی نشستوں میں اجتہاد کے حوالے سے تو بہت سی باتیں کہی گئیں لیکن اجتہاد کے متوازن فکر کے علاوہ اس میں 'اجتماعیت' کے تصور کو زیادہ نکھارا نہ جاسکا۔ اجتماعی اجتہاد کی جو خصوصیت اسے عام اجتہاد سے ممتاز کرتی ہے، وہ اجتماعیت کا وصف ہے اور اس اجتماعیت کے لوازمات پر گفتگو ہونا اس سیمینار کی ضرورت تھی، اور انہی پہلوؤں پر بحث مباحثہ کے ذریعے مل جل کر اسلامی موقف کو نکھارنے میں مدد ملتی۔ (اس سلسلے میں راقم کا مختصر مضمون ملاحظہ فرمائیں)

راقم الحروف کو اس سے قبل مختلف بین الاقوامی ندوات میں شرکت کا موقع ملا ہے، ایسے سیمیناروں میں آغاز میں ہی مطلوبہ موضوع کی حدود کا تعین کیا جاتا ہے، بالخصوص جبکہ وہ سابقہ لٹریچر میں زیادہ متعارف نہ ہو۔ ایسے ہی ان سیمیناروں میں خطابات کے بعد حاضرین میں سے فاضل مبصرین کو بھی دعوت دی جاتی ہے اور وہ پیش کردہ خطاب کے تشنہ وضاحت پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس موضوع پر اپنا نقطہ نظر بھی پیش کرتے ہیں۔ گویا اس نوعیت کے سیمیناروں میں مقررین کے علاوہ سامعین کی نمائندگی بھی شامل ہوتی ہے کیونکہ

☆مستقل مکتبِ فکر کا بانی ہونا کیا جملہ توصیف ہے یا کچھ اور؟ غامدی مکتبِ فکر نے اس دور میں جن افکار ونظریات کو پروان چڑھایا ہے وہ سرسید، اسلم جیراجپوری اور پرویز کے افکار کا ہی تسلسل ہیں۔ غور کریں کہ اس مکتبِ فکر نے موجودہ دور میں اسلام کی خدمت کی ہے یا مسلماتِ اسلامیہ سے انحراف کا رستہ اپنایا ہے؟

© rasailojaraid.com

ایسے موضوعات کے سامعین بھی معقول علمی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔

پیش نظر سیمینار میں اس ضرورت کی جزوی تکمیل کے لئے روزانہ توسیعی خطابات کا تصور تو موجود تھا لیکن اس پر بوجوہ درست عمل نہ ہوسکا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ دن بھر میں ہونے والے مقالات میں تشنہ پہلوؤں کی وضاحت وہاں کی جاتی، ایسے ہی مقالہ پیش کرنے والے کو بھی وضاحت کا موقع ملتا لیکن اس کے بجائے نئے سرے سے کچھ مزید پہلوؤں پر بحث کھول دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکا۔

صرف قرآن وحدیث کی اتباع اور فقہی آرا سے آزادانہ استفادہ

دینی مدارس کی فضا سے باہر جو اہل علم اسلامی علوم کی خدمت کررہے ہیں، ان میں یہ احساس روز بروز پختہ ہوتا جارہا ہے کہ مختلف فقہی مسالک میں بُعد کی لکیریں کھینچ کر اسلام کو درپیش چیلنجز کا سامنا کرنا شاید ممکن نہ ہو۔ اس لئے یہ سیمینار جس میں زیادہ تر نمائندگی مدارس سے باہر عصری جامعات سے وابستہ اہل علم کی تھی، میں یہ خیال بہ تکرار پیش کیا گیا ہے کہ یہ دور ہم سے فقہی دائروں سے بالاتر ہوکر اسلامی تعلیمات کی بہتر تفہیم کا تقاضا کرتا ہے۔

❁ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے صدر جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی نے پہلے روز اپنے توسیعی خطاب میں فرمایا کہ

> ''کاش ہم اس دور میں واپس لوٹ سکیں جو اسلام کی ابتدائی چار صدیوں کا دور ہے۔ ان ابتدائی چار صدیوں میں جس طرح صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ اسلافؒ فقہی حدبندیوں سے آزاد ہوکر اسلام کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے، یہی رجحان اسلام کی وسعتوں سے ہمیں بہتر مستفید ہونے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔''

واضح رہے کہ ابتدائی چار صدیوں کے بعد بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اُمت ِمسلمہ تقلید اور مختلف فقہی مذاہب میں بٹ گئی تھی اور ہر شخص کا تعارف ایک مخصوص فقہ کے حوالے سے کیا جانے لگا تھا۔ لیکن اب نئے دور میں یہ رجحان آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا نظر آرہا ہے۔ اس رجحان کی نشاندہی کے لئے جناب محمود غازی نے اپنے خطاب میں ایک نئی اصطلاح متعارف کرائی :

> ''آج دنیائے اسلام ایک نئی فقہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگر کوئی نئی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو میں عرض کروں گا کہ ایک 'کاسموپولیٹن فقہ' وجود میں آرہی

© rasailojaraid.com

ہے۔اس اصطلاح سے ہماری مراد یہ ہے کہ اب یہ رجحان روز بروز تقویت پکڑتا جا رہا ہے کہ تمام فقہی مذاہب کو اور تمام فقہاے اسلام کے فقہی ذخیرے اور ورثے کو مشترکہ فکری اور علمی ذخیرہ قرار دیا جائے۔اور اُمتِ مسلمہ کی مشترکہ کاوش اور مشترکہ ثروت سمجھ کر اس سے استفادہ کیا جائے۔آج بہت تیزی سے ایسی فقہ وجود میں آرہی ہے جو فقہ حنبلی، حنفی یا شافعی کے نام سے موسوم نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کو صرف 'فقہ اسلامی' کے نام سے ہی موسوم کیا جاسکتا ہے۔

آئندہ پچاس سالوں میں یہ کاسمو پولیٹن فقہ (اس کو جو بھی عنوان دیا جائے) پوری دنیاے اسلام کو اپنے اثر میں لے لے گی اور مدارسِ فقہ یا مکاتبِ فقہ کی اہمیت بڑی حد تک تاریخی ہو کر رہ جائے گی۔علیٰ سبیل المثال اسلامی بینکنگ یا ایسے ہی دوسرے موضوعات پر جو اَدب یا لٹریچر سامنے آیا ہے اور تیزی کے ساتھ آرہا ہے، اس کو حنفی بینکنگ، شافعی بینکنگ یا حنبلی بینکنگ قرار نہیں دیا جاسکتا۔اس میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہا کے اجتہادات اور فرمودات سے یکساں استفادہ کیا گیا ہے۔'' (عصر حاضر میں اجتہاد اور اس کی قابل عمل صورتیں ص ۲،۳)

جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی جیسی فاضل شخصیت سے ایسے جذبات کا اظہار ایک خوش آئند امر ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے خطاب کے خاتمے پر حافظ صلاح الدین یوسف نے ان خیالات کو پیش کرنے پر آپ کو مبارک باد دی اور آپ کے اَفکار کی تحسین فرمائی۔

❁ یہی بات 'اجتماعی اجتہاد کے اسالیب' پر روشنی ڈالتے ہوئے بہاولپور یونیورسٹی کے شعبۂ علومِ اسلامیہ کے پروفیسر شبیر احمد جامعی نے سیمینار میں بڑے مؤثر انداز میں کہی۔آپ لکھتے ہیں :

''اس سلسلہ میں اہل السنّت والجماعت کے تمام فرقوں میں روا داری کی اسپرٹ پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔لوگ حنفی اور اہل حدیث، شافعی اور حنبلی کی اصطلاحات میں بات کرنا چھوڑ دیں، فقہ خواہ امام ابوحنیفہؒ کی ہو یا امام مالکؒ کی، امام شافعیؒ کی ہو یا امام احمد بن حنبلؒ کی، سب ہماری اپنی فقہیں ہیں۔یہ سب ائمہ بھی ہمارے مشترکہ امام ہیں۔ان میں سے کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں بے جا تعصب میں ہمیں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

صحیح اُصول یہ ہے کہ مختلف مسائل میں جس کا اجتہاد بھی قرآن وسنت کے زیادہ موافق اور حالات ومصالح سے زیادہ ہم آہنگ نظر آئے، اسے اختیار کرلیں۔ہمیں تاکید بھی اسی چیز کی ہے۔اجتہادی مسائل میں اسلام نے ہمیں امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ کی یا دیگر ائمہؒ کی فقہ کی پیروی کی ہدایت نہیں کی۔ بلکہ اسی اجتہاد کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے جو کتاب وسنت کے زیادہ موافق اور قریب ترین ہو۔'' (مقالاتِ سیمینار بر اجتماعی اجتہاد: ص ۷۵،۷۶)

صفحہ ۸۴ پر آپ مزید لکھتے ہیں :

''جو شخص کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے، وہ دین پر عمل کرتا ہے۔ کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی مسلک کو اللہ تعالیٰ نے اتباع اور اطاعت کے لئے مقرر نہیں فرمایا۔ اللہ کی طرف سے اطاعت کے لئے نامزد اور معین اللہ کے نبی اور وہ دین ہے جو کتاب وسنت کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن وسنت نے اولی الامر فقہا کی اطاعت کو بھی لازم کیا ہے، لیکن وہ اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ کتاب وسنت کے تابع ہو، اس سے متعارض یا متصادم نہ ہو۔ اگر کتاب وسنت سے متعارض ہو تو پھر فقہا کی نہیں بلکہ قرآن وسنت کی ہی اطاعت کی جائے گی۔''

❁ ایسی ہی بات حافظ صلاح الدین یوسف نے اسی سیمینار میں پیش کردہ اپنے مقالہ میں کہی:

''اجتہادی کمیٹی کو فقہی مسلک سے بالا ہونا چاہئے اور کسی بھی فقہی مسلک کی بالا دستی اس پر نہیں ہونی چاہئے، یہ بالکل صحیح ہے۔'' (مقالاتِ سیمینار: ص ۱۶۶)

❁ مصفی اور عقد الجید سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اقتباس پیش کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''فقہا نے اپنے حالات اور عرف کے مطابق اجتہاد کیا اور شرعی احکام مستنبط کئے۔ اب حالات کے تقاضے اور ان کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ عرف بدل چکے ہیں اور نئی تہذیب کی بوقلمونیوں نے بہت سی نئی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کردی ہیں۔ ان حالات میں گذشتہ صدیوں کے فقہا کے اجتہادی احکام کو من وعن نافذ کرنے پر اصرار معقول طریقہ نہیں ہوگا۔ نہ اکثریت واقلیت کا راگ الاپنا مناسب ہوگا۔ اصل چیز قرآن وحدیث کی برتری اور عوام کی سہولت ہے۔ اس نقطہ نظر کے بعد کسی بھی فقہ کو بنیاد بنا لیا جائے لیکن دیگر فقہوں سے بھی استفادہ کیا جائے اور جو فقہی مسئلہ موجودہ زمانے کے مقتضیات سے زیادہ ہم آہنگ اور ارفق بالناس ہو، اسے اپنا لیا جائے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسئلہ فقہ حنفی کا ہو یا فقہ شافعی کا، فقہ مالکی کا ہو یا فقہ حنبلی کا۔ اس طریقے اس تقلیدی جمود، حزبی تعصب اور گروہ بندی کی بھی حوصلہ شکنی ہوگی جس کو اسلامی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ باور کرایا جاتا ہے اور عصری مسائل کا حل بھی سہل تر ہوجائے گا۔'' (مقالاتِ سیمینار: ص ۱۶۸)

❁ قاہرہ کے مجمع البحوث الاسلامي کا تعارف کراتے ہوئے جناب ڈاکٹر تاج الدین ازہری نے شیخ الازہر کے اس تحفظ کا سیمینار میں بطورِ خاص ذکر کیا، آپ لکھتے ہیں:

''شیخ الازہر نے اپنے ماتحت مفتیان کو سوالات بھیجنا شروع کردیے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مسلک کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دے دیتا جو اگرچہ علمی طور پر تو درست ہوتا مگر ہمیشہ

© rasailojaraid.com

یہ ڈر لگا رہتا کہ اس سے اسلامی اُخوت اور وحدتِ معاشرہ متاثر نہ ہوجائے۔ یہ ایک بڑا خوف تھا جس کے اِزالے کے لئے شیخ الازہر مصطفیٰ مراغی نے ۱۹۳۵ء میں چاروں مسالک کے علما کو نمائندگی دیتے ہوئے ایک کمیٹی لجنة كبار العلماء قائم کی اور اُنہیں تلقین فرمائی کہ وہ کسی خاص مسلک کی قید کے بغیر راجح دلیل، آسانی، عرفِ عام اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح فتویٰ دیں کہ اُمت کی بہتری ہو اور شر کو کم سے کم کیا جاسکے۔'' (ص ۲۴۸)

❁ مولانا حافظ عبد الرحمٰن مدنی نے سیمینار کے پہلے روز کیے جانے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''فقہا کے فتاویٰ اور فیصلوں کی حیثیت ایک نظیر کی حد تک ہے، جس کا مجتہدین کو پابند نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے ہاں عدالتی نظائر کی پابندی کا تصور برطانیہ سے درآمدہ ہے کیونکہ برطانیہ میں تحریری قانون کی بجائے عدالتی نظائر ہی قانونی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ فرانس میں چونکہ دفعہ وار قانون موجود ہے، اسلئے فرانسیسی عدالتی نظام میں نظائر کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔''

❁ سیمینار کے دوران 'اجتہاد' کے موضوع پر ہونے والے ٹی وی مذاکرہ میں روشن خیالی اور آزادیٔ فکر کے بارے میں میزبان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ

''ہمارے ہاں گذشتہ چند صدیاں مذہبی تنگ نظری اور اپنے اپنے دائروں کے اندر رہتے ہوئے اسلام کو سمجھنے کی کوششوں میں صرف ہوئی ہیں۔ جبکہ آزادیٔ فکر اور روشن خیالی کا صحیح تصور یہ ہے کہ صرف کتاب وسنت کی پابندی اختیار کی جائے اور ائمہ اسلاف ؒ سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی دینی رائے کو کتاب وسنت کی روشنی میں ہی سمجھا جائے۔ ایسی فکری آزادی سے ہی جدید دور کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔''

❁ رابطہ عالم اسلامی کی فقہ کمیٹی کا تعارف کراتے ہوئے الطاف حسین لنگڑیال لکھتے ہیں:

''مجمع کا مسلک وسیع المشر بی رہا ہے اور وہ لامسلکی اجتہاد کا قائل ہے۔ مختلف مکاتبِ فقہ اور دنیا کے مختلف خطوں سے علماء سے تعلق رکھنے کے باوجود مقاصدِ شریعہ کی پاسداری کرتے ہوئے یہاں تمام مکاتبِ فکر کی آرا سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

فقہی اختلاف کے بارے میں مجمع کی رائے یہ ہے کہ اس کے پس پشت کچھ علمی اسباب ہیں جن میں اللہ کی عظیم حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت کارفرما ہے۔ اس کی وجہ سے نصوص سے استنباطِ احکام کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ یہ اختلاف ایک عظیم تر نعمت اور عظیم فقہی قانونی سرمایہ ہے۔ اگر کبھی ایک مسلک کے لحاظ سے کوئی تنگی و دشواری پیش آجاتی ہے تو

© rasailojaraid.com

دوسرے مسلک میں اس کے لئے کشائش و آسانی میسر رہتی ہے۔'' (مقالات: ص ۳۰۵)

اسی سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار مختلف مقررین کی طرف سے ہوتا رہا جس کا حاصل یہ ہے کہ عصری مسائل سے آگاہی رکھنے والے اہل علم فقہی حدبندیوں میں مقید ہوکر ان مسائل کا حل کرنے کے بجائے اب وسیع تر اسلامی فقہی ذخیرے سے آزادانہ استفادے کا موقف اپنا رہے ہیں۔ اور اجتماعی اجتہاد کا تصور متعارف کرانے کی وجہ بھی مختلف نقطہ ہائے نظر سے استفادہ کرنے کی ضرورت کا ایک اعتراف اوراظہار ہے۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ فقہی حدبندیوں سے نکل کر اسلام کو درپیش چیلنج کا جواب مشترکہ علمی سرمائے سے دیا جائے۔

جن اہل علم کو زمانے کے بدلتے تقاضوں سے زیادہ واسطہ پیش نہیں آتا بلکہ مسلم معاشرے کے روایتی مسائل سے ہی انہیں پالا پڑتا رہتا ہے، وہ ابھی تو اس ضرورت کا ادراک نہیں کرتے لیکن جوں ہی اُنہیں جدید معاشرے کے مسائل سے سابقہ پیش آئے گا، وہ بھی اپنے نقطہ نظر پر نظرثانی کرنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خود مختلف گروہوں میں بٹے رہنے کی بجائے اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کی خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین!

ایک اہم تجویز

سیمینار کے دوسرے روز چوتھی نشست میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈاکٹر عصمت اللہ نے کویت کی ایک تنظیم کی گراں قدر خدمات پر روشنی ڈالی جس سے اکثر حاضرین واقف نہ تھے۔ ان معلومات کے مطابق طبی فقہی اُمور پر کام کرنے والی کویت کی المنظمة العالمية للعلوم الطبية ۲۵ برس سے اپنے موضوع پر ممتاز نوعیت کا کام کرچکی ہے اور بعض موضوعات پر تو ایک درجن سے زائد سیمینار بھی منعقد کرچکی ہے۔ ان میں سے بہت سے موضوعات ایسے ہیں جن کے بارے میں اسلامی معاشرہ رہنمائی کا شدید محتاج ہے۔ یہ تحقیقات انٹرنیٹ پر اسلامی دنیا کے استفادہ کے لئے کھلی پڑی ہوئی ہیں اور ہرکوئی انہیں اپنے کمپیوٹر میں اُتار سکتا ہے۔ ان تحقیقات پر مشتمل متعدد کتب بھی چھپ چکی ہیں لیکن افسوس کہ اسلامی دنیا کے نامور اہل علم کو بھی اس ادارے کے نام اور کام سے آگاہی نہیں۔

جناب ڈاکٹر عصمت اللہ کے ان معلومات پر مبنی خطاب کو بے حد سراہا گیا اور اس کے بعد مولانا جلال الدین عمری نے تبصرہ کرتے ہوئے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ طبی موضوعات

پر اسلامی نقطہ نظر کی تشریح و ترجمانی کے لئے وہ بھی سالہا سال سے اپنی کاوشیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ان معلومات تک رسائی نہ ہونے کے سبب وہ ہر موضوع پر شروع سے محنت کرتے رہے ہیں، کاش کہ انہیں اس کویتی ادارے کا علم ہوتا اور وہ اس کی کاوشوں کی مدد سے اپنے کام کو مزید جامع بنا سکتے۔

متعدد موضوعات پر یہ مشکل سامنے آتی رہتی ہے کہ اسلامی دنیا میں مختلف موضوعات پر کام ہو چکتا ہے لیکن اس کام کے بارے میں کسی جگہ معلومات دستیاب نہیں ہوتیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا کا آپس میں رابطہ باہمی وسائل کی مدد سے نہیں ہے اور مغربی ذرائع ابلاغ ہی ان کے درمیان معلومات پہنچانے کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں اور اِنہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ہماری پرزور سفارش یہ ہے کہ اگر چہ وسائل کی عدمِ دستیابی یا بااختیار اداروں کی عدم دلچسپی کی بنا پر مسلمان اہل علم کو آپس میں تبادلہ معلومات کرنے کے مواقع حاصل نہیں ہوتے، نہ ہی اسلامی کتب کا کوئی ایسا عظیم الشان مرکز موجود ہے جو تمام مسلم محققین کی کاوشوں کو یکجا رکھنے کا دعویٰ کر سکے تو کم ازکم ایک ایسا مرکزِ معلومات ضرور قائم ہونا چاہیے جہاں اسلامی دنیا میں ہونے والی تمام تحقیقی کاوشوں کی رپورٹ دستیاب ہو۔ گویا اگر شخصی یا حقیقی طور پر یہ علمی خزانہ یکجا نہیں ہوسکتا تو چند باذوق لوگوں کی کاوش سے ایسا مرکز ضرور قائم ہوسکتا ہے جہاں ان کے بارے میں صرف معلومات یکجا میسر ہوسکیں۔ اس مقصد کے لئے ایسے مرکز کی خدمات کو انٹرنیٹ سے منسلک کرکے اس سے تمام عالم اسلام فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

کسی ایک موضوع پر ہونے والا سابقہ کام مزید تحقیق کے لئے بہت ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے۔ باوجود اس کے کہ مختلف خطوں میں پیش آنے والے مسائل مختلف نوعیت کے حامل ہوتے ہیں مگر اپنی اساسی رہنمائی کی حد تک ان میں کافی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔

اس دور میں اسلامی تحقیق کی اوّلین ضرورت ایک ایسے مرکز کی ہے جہاں اسلامی ممالک کی تمام قابل ذکر یونیورسٹیوں کی اسلامی موضوعات پر تحقیق کے بارے میں معلومات یکجا موجود ہوں، ان کی دستیابی اور موجودگی کے بارے میں بنیادی معلومات وہاں سے مل سکیں۔ ایسے ہی اسلامی موضوعات پر کام کرنے والے تحقیقی اداروں اور ان کے کام کی تفصیلات وہاں میسر ہوں۔ مثال کے طور پر اسلامی نظریاتی کونسل یا وفاقی شرعی عدالت پاکستان کے تحت جن موضوعات پر پاکستان کے اہل علم کو جمع کرکے وقیع کام کیا جا چکا ہے، ان کی فہرستیں حاصل

کرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہونا چاہئے۔

امریکہ میں اس مقصد کے لئے 'سائنٹفک ریسرچ' کے نام سے ایک ادارہ سرگرم ہے۔ اس ادارے میں مختلف علوم پر ہونے والی تحقیق کے بارے میں تمامتر معلومات کو جمع کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور سائنس کی ایک شاخ علم کیمیا کے بارے میں ۱۹۰۷ء کے بعد سے جس قدر تحقیقی کام ہوا ہے، اس کو محفوظ کرنے کا یہاں باقاعدہ ایک نظم موجود ہے۔ کیمیا میں ہونے والی تمامتر تحقیق کا خلاصہ یہاں ہر ہفتہ درج کیا جاتا ہے اور اس کو انٹرنیٹ ویب سائٹس پر اَپ ڈیٹ بھی کر دیا جاتا ہے۔ پھر کیمیا کے میدان میں مزید تحقیق کا آغاز وہاں سے کیا جاتا ہے جہاں دنیا بھر کے سائنسدان اب تک پہنچ چکے ہیں۔ اس سے، پہلے سے موجود کام میں تکرار کا عنصر کم سے کم ہوجاتا ہے۔اس امریکی ادارے کا بنیادی مقصد یوں تو سائنسز کے موضوع پر معلومات کی فراہمی نہیں بلکہ دراصل یہ اپنے اپنے موضوع پر ہونے والے تحقیقی کام اور تحقیقی مقالات کی درجہ بندی کا کام کرتا ہے۔ پہلے تحقیقی رسائل کو وہاں رجسٹر کیا جاتا اور ان میں شائع ہونیوالے مقالات کے معیار کی جانچ کے بعد اس کی علمی حیثیت کو ایک نمبر کے ذریعے متعین کیا جاتا ہے مقالات لکھنے والے اشخاص کی کارکردگی اور اس فن میں ان کے مقام کا اندازہ انہی نمبروں کے ذریعے ہوتا ہے۔لیکن اس سے معلومات کی فراہمی کا وسیع تر مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

دوسری طرف اسلامی علوم کا یہ حال ہے کہ ہر موضوع پر ہونے والی تحقیق کا آغاز بالکل ابتدا سے ہوتا ہے اور اس دور میں اسلام پر ہونے والی تحقیق کا بیشتر حصہ ایسا ہے جن کے اکثر اجزا پر کام پہلے سے ہوچکتا ہے لیکن اس کی معلومات کہیں دستیاب نہیں ہوتیں۔

اسلامی موضوعات پر ہوچکنے والے کام سے استفادہ کرتے ہوئے مزید اُمور پر تحقیق کے لئے گذشتہ معلومات سے استفادہ کرنا بھی گویا 'اجتماعیت' کا تصور اپنے اندر رکھتا ہے جہاں ایک فرد اپنے علمی رسوخ اور معلومات پر اعتماد کی بجائے اجتماعی انسانی کاوشوں کو پیش نظر رکھ کر ایک مسئلے کا حل دریافت کرسکتا ہے۔ اگر وہ چند اہل علم افراد کو اکٹھا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یا ہماری لائبریریاں اسے متعلقہ موضوع پر مواد یکجا فراہم نہیں کرسکتیں تو کم ازکم اسلامی معلومات کے مرکز سے استفادہ کرتے ہوئے وہ کاغذ پر چند اہل علم کی آرا کو ایک جگہ ملاحظہ کرسکتا ہے۔ اس کی ضرورت روز افزوں ہے لیکن یہ کام بڑے مالی وسائل کے بغیر ممکن نہیں !! ☆☆

www.KitaboSunnat.com